علامہ اقبال کے اردو کلام میں تصور رسالت: تجزیاتی مطالعہ

ڈاکٹر عبدالواجد تبسم*

Abstract
Iqbal is renowned poet, thinker, and philosopher. His novel ideas gave new dimensions to Urdu poetry with the concepts developed with the passage of time. His stay in Europe played an important role in development of his thought. He dug deep into the consequences of Muslims' down fall, which compelled him to think about the Muslims of Subcontinent. In this scenario the concept of Risalat played an important role, so we can see that the teachings and revelation of the Prophet Muhammad SAW became the central thought of his poetry. He considers the teachings of Muhammad SAW as the only solution to the problems of Muslims. He believes Muslims earned respect and honour in the world due to Islam. If Muslims want to regain the former glory, they must go back to the teachings of the Prophet SAW. Therefore his concept of Risalat is the basic source of inspiration. This article is the study of Iqbal's Urdu poetry in the context of his concept of Risalat.

علامہ اقبال عالمگیر فکر کے شاعر اور مفکر ہیں، ان کے ہاں اگرچہ مشرق و مغرب کے مفکرین اور شعرا سے استفادے کا رجحان بھی نظر آتا ہے مگر انھوں نے اس کے ذریعے سے اسلام کے بنیادی افکار کو بنظر غائر سمجھنے کی کوشش کی ہے، چنانچہ توحید اور رسالت ان کی تحریروں کا بنیادی منبع ہے۔ ان ہر دو افکار کے اثرات ان کے اردو اور فارسی کلام، خطبات، خطوط اور عام نجی گفتگو میں جلوہ گر ہیں۔ اس حوالے سے فرمان فتح پوری لکھتے ہیں:

> "انھوں نے (اقبال) دنیا کے بے شمار صاحب نظر افراد سے اپنے ذوق کے مطابق استفادہ کیا ہے، یہ ضرور ہے کہ ان کے استفادے کی نوعیت ہمیشہ ان کے عقیدہ توحید و رسالت کی پابند رہی ہے اور علمائے شعر و حکمت کے وہی خیالات ان کی

* اسسٹنٹ پروفیسر اردو شعبہ پاکستانی زبانیں، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد

توجہ کا مرکز بنے ہیں جو قرآن و سنت کی تعلیمات سے کسی نہ کسی رخ سے مماثل و مشابہ تھے۔ اس اعتبار سے اقبال کے فکر و فن کے اساسی مآخذ صرف دو قرار پاتے ہیں۔ ایک قرآن، دوسرے حضور ﷺ کا اسوہ حسنہ "(1)

اقبال کی شاعری میں رسالت اور حضور ﷺ سے عقیدت و محبت کا تصور دیگر شعرا کے مقابلے میں مختلف انداز سے آیا ہے۔ انھوں نے اس تناظر میں رسالت کے تمام پہلوؤں کو سمجھا، ان پر غور و فکر کیا ہے اور اس کی حقیقی معنویت بھی واضح کی ہے۔ ان کے ہاں نعت کا بیان بھی محض روایتی یا رسمی نہیں بلکہ ان کا مقصد قرآن حکیم کی تعلیمات اور اسوہ حسنہ کے ذریعے قوم کی ڈوبتی ناؤ کو پار لگانا ہے۔ بقول ڈاکٹر ریاض مجید:

"اقبال کے کلام میں حضور ﷺ کی شخصیت کائنات کی تخلیق اور نظام کی تاریخ میں ایک پر معنی اور بلیغ استعارے کے طور پر ابھرتی ہے۔۔۔۔ ان کے نزدیک محمد ﷺ ایک لفظ اور ایک نام ہی نہیں بلکہ ایک ایسا اسم اعظم اور ایک ایسی حرارت ہے جس کے سبب اس سیہ خانہ عناصر کو نہ صرف منور کیا جاسکتا ہے بلکہ اس حرکی قوت سے نظام دہر کو تہ و بالا کیا جاسکتا ہے "(2)

مولانا عبدالماجد دریابادی کے مطابق: "اقبال باوجود اتنا بڑا اور مشہور شاعر ہونے کے، شاعر نہیں بلکہ اپنے پیام سے مقام نبوت کی جانشینی کا حق ادا کر رہا ہے۔"(3)

اس تناظر میں اقبال کے اردو کلام کا جائزہ لیا جائے تو ہمیں ان کے ہاں رسالت کے تصور کی مختلف صورتیں نظر آتی ہیں۔ اقبال اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"رسالتِ محمدیہ کا مقصد صرف یہی نہیں کہ بندوں کو اپنے رب سے ملائے بلکہ اس کا مقصد یہ بھی ہے کہ بندوں کو چار عناصر کی دنیا میں رہنے اور انفرادی اور ملی

---

1 فتح پوری، فرمان، ڈاکٹر، **اقبال سب کے لیے**، لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۱۰ء، ص: ۲۸۸۔

2 ریاض مجید، ڈاکٹر، **اردو میں نعت گوئی**، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، طبع اول ۱۹۹۰، ص ۴۲۸۔

3 فتح پوری، **اقبال سب کے لیے**، ص ۲۸۸۔

زندگی بسر کرنے کے لئے ایک مکمل آئین بھی تیار فرمائے اور یہ آئین خدائے تعالیٰ کے فضل و کرم سے، اِس وقت تک مسلمانوں کے پاس ہے۔ اس سے مستفید ہونے کے لئے قوتِ استدلال اور پاکیزگی عمل کی ضرورت ہے اور ان اوصاف کی متاع گراں بہا ابھی تک بکلی مفقود نہیں ہوئی۔ ان (مسلمانوں) کو ہر فعل کے لئے (خواہ انفرادی ہو، خواہ اجتماعی) کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ کے عمل میں نظام کار تلاش کرنا چاہیے اور جو نظام کار ان دو مآخذوں سے ملے اسی پر عمل پیرا ہونا چاہیے"۔(1)

اقبال کے ہاں رسالت کے بعض دیگر پہلوؤں کی بھی وضاحت کی گئی ہے، لکھتے ہیں:

"دنیا میں نبوت کا سب سے بڑا کام تکمیلِ اخلاق ہے، چنانچہ حضور ﷺ نے فرمایا بعثت لاتمم مکارم الاخلاق یعنی میں نہایت اعلیٰ اخلاق کے اتمام کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ اس لئے علماء کا فرض ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے اخلاق ہمارے سامنے پیش کیا کریں تاکہ ہماری زندگی حضور ﷺ کے اسوہ حسنہ کی تقلید سے خوش گوار ہو جائے اور اتباعِ سنت زندگی کی چھوٹی چھوٹی چیزوں تک جاری و ساری ہو جائے۔"(2)

اقبال زندگی میں حرکت و عمل کے قائل ہیں، چنانچہ حضور ﷺ کی عملی زندگی ان کے لیے ایک ایسے نمونے کے طور پر سامنے آتی کہ جس پر عمل کر کے مسلمان اپنے زوال کو ختم کر سکتے ہیں کیونکہ دین و دنیا میں کامیابی کا راز اسی اُسوہ کامل پر عمل کا نتیجہ ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اقبال کے نزدیک نبوت کا ایک اور مقصد انسانی ہیئت اجتماعیہ کی تشکیل ہے۔ لکھتے ہیں:

"نبوت محمدیہ ﷺ کی غایت الغایات یہ ہے کہ ایک ہیئت اجتماعیہ انسانیہ قائم کی جائے جس کی تشکیل اس قانون الٰہی کے تابع ہو جو نبوت محمدیہ ﷺ کو بارگاہ الٰہی سے عطا ہوا تھا۔"(3)

---

1 بحوالہ **علامہ اقبال بارگاہ رسالت میں** " از ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان، مضمون مشمولہ نقوش، اقبال نمبر، شمارہ ۲۱، لاہور، ۱۹۷۷ء، ص:۵۸۔

2 سید عبد الواحد معینی، مرتب **مقالات اقبال**، شیخ محمد اشرف، تاجر کتب لاہور: کشمیری بازار، طبع اول ۱۹۶۳ء، ص ۱۹۷، ۱۹۸۔

3 ایضاً، ص ۲۳۲۔

انھوں نے مقام نبوت کی وضاحت بھی کچھ اسی انداز میں کی ہے، لکھتے ہیں:

"نبوت کے دو اجزا ہیں (۱) خاص حالات و واردات جن کے اعتبار سے نبوت، روحانیت کا ایک مقام خاص تصور کی جاتی ہے (مقام تصوف اسلام میں ایک اصطلاح ہے)(۲) ایک Socio-political institution قائم کرنے کا عمل یا اس کا قیام۔ اس Institution کا قیام گو ایک نئی اخلاقی فضا کی تخلیق ہے جس میں پرورش پا کر فرد اپنے کمالات تک پہنچتا ہے اور جو فرد اس کا ممبر نہ ہو یا اس کا انکار کرے وہ ان کمالات سے محروم ہو جاتا ہے، اس محرومی کو مذہبی اصطلاح میں کفر کہتے ہیں۔ گویا اس دوسری جز کے اعتبار سے نبی کا منکر کافر ہے۔ دونوں اجزا موجود ہوں تو نبوت ہے۔ صرف پہلا جز موجود ہو تو تصوفِ اسلام میں اس کو نبوت نہیں کہتے اس کا نام ولایت ہے۔"(1)

اس تناظر میں اقبال کے اردو کلام کو دیکھا جائے تو رسالت کے یہ ہی تصورات ان کے ہاں مختلف صورتوں میں نظر آتے ہیں۔ اقبال کے اردو کلام میں "بانگ درا" کو اولیت حاصل ہے۔ اس مجموعے کا ابتدائی حصہ ۱۹۰۵ تک کے کلام کو محیط ہے۔ اس میں مختلف النوع موضوعات پر نظمیں اور غزلیات شامل ہیں، جن سے شاعر کی ایک طرح کی جستجو اور تلاش بھی نظر آتی ہے۔ حصہ دوم ۱۹۰۵ تا ۱۹۰۸ء اقبال کے قیام یورپ تک کے زمانے کو محیط ہے۔ قیام یورپ نے اقبال کی شاعری کو جہت آشنا کرنے میں اہم کردار ادا کیا، دوسرے یورپ کی چکا چوند ترقی نے انھیں مجبور کیا کہ وہ شاعری ترک کر دیں۔ اسی قیام کے دوران میں وہ اسلام کی عظمت کے بھی قائل ہوئے اور یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ " یورپ کی آب و ہوا نے مجھے مسلمان کر دیا(2)

فکر اقبال کو متعین کرنے اور اسے ایک لائحہ عمل کی صورت دینے میں اقبال کے قیام یورپ کے زمانے نے اہم کردار ادا کیا اور وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ اسلام ہی ایک ایسا مذہب اور اسوہ کامل ﷺ ہی ایک ایسا راستہ ہے جو مسلمانوں کو نشاۃ ثانیہ کی طرف لے جا سکتا ہے۔ چنانچہ اپنی ایک نظم "عبد القادر کے نام" میں لکھتے ہیں:

---

1 بشیر احمد ڈار، **انوار اقبال** (خط بنام وحید احمد)، لاہور: اقبال اکادمی، طبع اول، ۱۹۶۷، ص: ۴۶، ۴۵۔

2 **انوار اقبال** (خط بنام وحید احمد)، ص: ۱۷۴۔

دیکھ یثرب میں ہوا ناقہ لیلیٰ بیکار
قیس کو آرزوئے نو سے شناسا کردیں(1)

اس واضح لائحہ عمل کے بعد اقبال کے ہاں اسوہ کامل ﷺ پر عمل ہی مسلمانوں کے لیے واحد راستہ نظر آتا کہ جس کی بدولت امت مسلمہ کی آبرو ہوئی اور ہو سکتی ہے، چنانچہ قیام یورپ کے بعد حصہ سوم کے آغاز کی اولین نظم "بلاد اسلامیہ" ہے جو اقبال کے تصور توحید اور رسالت کو صحیح معنوں میں واضح کرتی ہے۔ ان کے نزدیک سرزمین دلی، بغداد، قرطبہ اور قسطنطینیہ کی عظمت رفتہ اسلام اور "جانشینانِ پیمبر" کے قدموں کی بدولت ہے۔ یہ تصورات اقبال کو مسلمانوں کے تابناک عہد رفتہ کی یاد دلاتے ہیں کہ جب یہ تمام خطہ ہائے زمیں اسلام کی عظمت کا نشان تھے مگر آج مٹ گئے ہیں۔ اس لیے وہ مسلمانوں کو اس زریں عہد کی یاد دلاتے ہیں کہ انھیں پھر سے ان تعلیمات کی طرف لوٹنا چاہیے کہ جن کی بدولت یہ ممکن ہوا۔ نظم کا آخری بند "خواب گاہ مصطفیٰ ﷺ" یعنی مدینہ کے بارے میں ہے۔ اس بند کے اشعار میں ایک ایسا والہانہ پن ہے کہ جس کی مثال اردو شاعری میں نہیں ملتی:

وہ زمیں ہے تُو، مگر اے خواب گاہِ مصطفیٰ! دید ہے کعبے کو تیری حجِ اکبر سے سوا
خاتمِ ہستی میں تُو تاباں ہے مانندِ نگیں اپنی عظمت کی ولادت گاہ تھی تیری زمیں
تجھ میں راحت اُس شاہنشاہِ معظمؐ کو ملی جس کے دامن میں اماں اقوامِ عالم کو ملی
نام لیوا جس کے شاہنشاہ عالم کے ہوئے جانشیں قیصر کے، وارث مسندِ جم کے ہوئے
ہے اگر قومیتِ اسلام پابندِ مقام ہند ہی بنیاد ہے اس کی، نہ فارس ہے، نہ شام
آہ! یثرب دیس ہے مسلم کا تُو، ماویٰ ہے تو نقطہ جاذب تاثر کی شعاعوں کا ہے تُو
جب تلک باقی ہے تو دنیا میں، باقی ہم بھی ہیں صبح ہے تو اس چمن میں گوہر شبنم بھی ہیں(2)

اس کے بعد اقبال کی نظم "ترانہ ملی" سامنے آتی ہے جو واضح اشارہ ہے کہ اقبال ملت اسلامیہ کی توحید اور رسالت کے مذہبی اور سیاسی تصورات کے تحت احیا چاہتے ہیں:

---

1 علامہ اقبال، **کلیات اقبال اردو** (بانگ درا)، اسلام آباد: نیشنل بک فاونڈیشن، طبع دوم، 2015ء، ص ۱۴۲۔

2 اقبال، **بانگ درا**، ص ۱۵۶۔

چین و عرب ہمارا ، ہندوستان ہمارا　　مسلم ہیں ہم، وطن ہے سارا جہاں ہمارا
توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے　　آساں نہیں مٹانا نام و نشاں ہمارا
سالارِ کارواں ہے میرِ حجازؐ اپنا　　اس نام سے ہے باقی آرامِ جاں ہمارا[1]

اقبال دربار نبوی میں شرمسار ہیں کہ مسلمان بعثت کے مقاصد اور تعلیمات رسول ﷺ کو یکسر فراموش کر چکے ہیں اور انھوں نے ملت کی بنیاد مٹادی ہے مگر افسوس اس بات کا ہے کہ انھیں اس کا ادراک بھی نہیں:

کل ایک شوریدہ خواب گاہِ نبیؐ پہ رو رو کے کہہ رہا تھا　　کہ مصر و ہندوستاں کے مسلم بنائے ملت مٹا رہے ہیں
یہ زائران حریم مغرب ہزار رہبر بنیں ہمارے　　ہمیں بھلا ان سے واسطہ کیا جو تجھ سے ناآشنا رہے ہیں
غضب ہیں یہ مرشدان خود بیں خدا تری قوم کو بچائے　　بگاڑ کر تیرے مسلموں کو یہ اپنی عزت بنا رہے ہیں
سُنے گا اقبال کون ان کو یہ انجمن ہی بدل گئی ہے　　نئے زمانے میں آپ ہم کو پرانی باتیں سُنا رہے ہیں[2]

اس ضمن میں فرمان فتح پوری لکھتے ہیں:

> "ملت اسلامیہ کی بنیاد توحید و رسالت کے عقیدے اور اس آئین پر قائم ہے جس کا دوسرا نام قرآن ہے اور جو انسانی نظام زندگی کے لیے مستقل اور لچکدار راہنما اصول لے کر آیا ہے۔ اس میں تقلید کے ساتھ اجتہاد کی بھی گنجائش ہے۔ اس کی پابندی سے ملت کے کردار میں پختگی آتی ہے اور اس پر عمل پیرا ہو کر وہ خود کو دوسری ملتوں سے ممیز و ممتاز کر لیتی ہے۔ حزن و یاس اور ماسوا کے خوف کی اس میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ توحید و رسالت پر پختہ عقیدہ سماج کے ان مہلک امراض کا ہمیشہ کے لیے ازالہ کر دیتا ہے۔"[3]

بانگ درا کی نظموں میں سے "شکوہ" اس حوالے سے اہم ہے کہ اس میں اقبال نے مسلمانوں کی عظمت رفتہ کو یاد کرتے ہوئے اللہ سے شکوہ کیا ہے کہ ہم مسلمان ہی تیرے نام لیوا ہیں اور تیرے نام کی سربلندی کی خاطر خود کو جان جوکھوں میں ڈالا ہے مگر اس کے باوجود تیری نظر کرم ہم پر نہیں رہی۔

1　ایضاً، ص ۱۷۰۔
2　اقبال، **بانگ درا**، ص ۱۷۳۔
3　فتح پوری، **اقبال سب کے لیے**، ص:۱۰۵۔

"جواب شکوہ" میں اقبال نے بار گاہ ایزدی سے مسلمانوں کے زوال کی وجوہات بھی بیان کی ہیں جن میں سب سے بنیادی وجہ مسلمانوں کا "تارک آئین رسولؐ مختار" ہونا ہے۔ مسلمانوں نے توحید کے پیغام کو چھوڑ دیا تو اللہ نے بھی ان سے منہ موڑ لیا۔ ان کی وضع قطع بھی اب غیروں سے مشابہ ہے اور اب ان میں اوصاف حجازی بھی نہیں رہے۔ اس کے باوجود بار گاہِ ایزدی سے مسلمانوں کو یہ پیغام دیا گیا ہے کہ:

کی محمد سے وفا تونے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں[1]

اس تناظر میں اقبال کے رسالت کے تصور کو دیکھا جائے تو یہ واضح ہے کہ ان کے نزدیک مسلمانوں کے تمام جملہ مسائل کا حل محمد ﷺ عربی سے وفا یعنی رسول ﷺ کے لائے گئے احکامات پر عمل اور اس کی پیروی میں ہے۔

اقبال کے خیال میں یہ رسالت محمدی ﷺ کا ہی کرشمہ تھا کہ عرب کے صحرا نشین، تمدن آفریں اور آئین جہاں داری سے واقف ہوئے اور انھوں نے اس عظمت کی دھاک ساری دنیا میں بٹھادی بقول اقبال:

"سماں "الفقر فخری" کا رہا شان امارت میں — بآب ورنگ و خال و خط چہ حاجت روئے زیبارا"
گدائی میں بھی وہ اللہ والے تھے غیور اتنے — کہ منعم کو گدا کے ڈر سے بخشش کا نہ تھا یارا
غرض میں کیا کہوں تجھ سے کہ وہ صحرا نشیں کیا تھے — جہاں گیر و جہاں دار و جہاں بان و جہاں آرا[2]

اقبال نے اپنی نظم "مسلم" میں بھی کچھ اسی طرح کے تصورات بیان کیے ہیں کہ عہد رفتہ کو کیسے زندہ کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً کہتے ہیں:

"ہم نشیں مسلم ہوں میں، توحید کا حامل ہوں میں — اس صداقت پر ازل سے شاہد عادل ہوں میں
ہاں یہ سچ ہے، چشم بر عہد کہن رہتا ہوں میں — اہل محفل سے پرانی داستاں کہتا ہوں میں
یاد عہد رفتہ میری خاک کو اکسیر ہے — میرا ماضی میرے استقبال کی تفسیر ہے

---

1 اقبال، **بانگ درا**، ص ۲۲۱۔

2 ایضاً، ص 191۔

دیکھتا ہوں دوش کے آئینے میں فردا کو میں (1) سامنے رکھتا ہوں اس دور نشاط افزا کو میں

اپنی نظم "حضور رسالت مآبؐ" میں بھی اقبال نے حضور ﷺ سے استغاثہ کیا ہے کہ وہ دہر میں ناآسودہ ہے، اسے جس زندگی کی تلاش ہے وہ اسے نہیں مل رہی:

حضورؐ دہر میں آسودگی نہیں ملتی
تلاش جس کی ہے وہ زندگی نہیں ملتی(2)

عشق رسول ﷺ اقبال کی شاعری کا محور ہے، جس کا احساس اس دور کی شاعری سے بھی ہوتا ہے۔ اپنی ایک نظم "شفاخانہ حجاز" میں کہتے ہیں:

اوروں کو دیں حضورؐ یہ پیغام زندگی
میں موت ڈھونڈتا ہوں زمین حجاز میں(3)

اقبال نے اپنی نظم "ارتقا" میں اس کی بات کی وضاحت کی ہے کہ "چراغ مصطفویؐ" یعنی تعلیمات رسالت مآب ﷺ سے "بولہبی شرار" ستیزہ کار رہا ہے مگر اس میں گھبرانے کی ضرورت نہیں کہ اسی کشاکش سے اقوام زندہ ہوتی ہیں بقول اقبال:

"ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز چراغ مصطفویؐ سے شرار بولہبی
اسی کشاکش پیہم سے زندہ ہیں اقوام یہی ہے راز تب و تاب ملتِ عربی(4)

اقبال اپنے بنیادی فلسفے میں جس حرکت و عمل کے فلسفے کے قائل رہے ہیں، اس میں خیر کے پنپنے کے لیے شر کی قوتوں کا ہونا ضروری ہے۔ اس نظم میں بھی انھوں نے اسی تصور کی وضاحت کی ہے کہ شر کی قوتیں خیر کے لیے ضروری ہیں۔ یہ بات بھی یاد رہے کہ فتح ہمیشہ حق ہی کی ہوتی ہے۔ اقبال کے نزدیک عشق رسول ﷺ وہ الوہی کیفیت ہے کہ جس کے دل میں سما جائے بقائے دوام پا لیتا ہے۔ اقبال کی ایک نظم "بلال" اسی والہانہ جذبے کے تحت تخلیق ہوئی ہے:

---

1 ایضاً، ص ۲۰۸، ۲۰۷۔
2 اقبال، **بانگ درا**، ص ۲۰۹۔
3 ایضاً، ص ۲۱۰۔
4 ایضاً، ص ۲۳۵۔

لیکن بلالؓ وہ حبشی زادہ حقیر　　فطرت تھی جس کی نور نبوت سے مستنیر
جس کا امیں ازل سے ہوا سینہ بلالؓ　　محکوم اس صدا کے ہیں شاہنشہ وفقیر
ہے تازہ آج تک وہ نوائے جگر گداز　　صدیوں سے سن رہا ہے جسے گوش چرخ پیر
اقبال کس کے عشق کا یہ فیض عام ہے　　رومی فنا ہوا حبشی کو دوام ہے [1]

اقبال کا رسالت کا تصور ان کی مابعد کی تخلیقات میں ملت کے تصور کی صورت ڈھلتا نظر آتا ہے، جب وہ ملت اسلامیہ کی تشکیل اسی طرح چاہتے کہ جیسی حضور ﷺ نے کی تھی کہ جس نے ایک بار کلمۂ طیبہ کا اقرار کر لیا وہ امت محمدیہ میں شامل ہو کر ہر طرح کے رنگ، نسل اور وطن کی قید سے آزاد ہو گیا۔ اقبال کے شعری ارتقا میں ملت کا تصور بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ اپنی ایک نظم "مذہب" میں بھی اس کی وضاحت کرتے ہیں کہ

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر　　خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمیؐ
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار　　قوتِ مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری
دامن دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں　　اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی[2]

اقبال نے "طلوع اسلام" میں مسلمانوں کو ایک امید کا پیغام دیا ہے کہ انھیں حالات سے گھبرانا نہیں چاہیے کیونکہ "کتاب ملت بیضا" کی از سر نو شیرازہ بندی ہو گی اور امت مسلمہ ایک بار پھر برگ و بار پیدا کرے گی مگر اس کے لیے ضروری ہے کہ مسلمان اپنی اصل حقیقت کو پہچان لے کہ اس کی اقوام عالم میں کیا حیثیت ہے جب ہی وہ اپنے اصل مقام کو واپس پا سکتا ہے۔ کہتے ہیں:

اے مسلمان ہر گھڑی پیش نظر
آیہ لا یخلف المیعاد رکھ[3]

"بالِ جبریل" کی نظموں میں زیادہ پختگی نظر آتی ہے۔ اقبال کا تصور عشق اس مجموعے کی نظموں میں زیادہ گہرائی اور گیرائی کا حامل ہے۔ وہ اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ رزم گاہِ حیات میں عشق ہی

---

1 اقبال، **بانگ درا**، ص ۲۵۵۔
2 ایضاً، ص ۲۶۱۔
3 ایضاً، ص ۲۹۸۔

ایک ایسا جذبہ ہے کہ جس کی بدولت عظیم تر مقاصد کا حصول ممکن ہے۔ اقبال کے نزدیک عشق رسول ہی ایک ایسا الوہی جذبہ ہے، جو کائنات میں جاری و ساری ہے اور اسی کی بدولت یہ سب ممکن ہوا چنانچہ ان کی نظم "دُعا" (مسجد قرطبہ میں لکھی گئی) ہو، "مسجد قرطبہ" یا" ذوق شوق" عشق کی بدولت تخلیق ہوئی ہیں۔ علم ان کے نزدیک "نخیل بے رطب"، "عشق تمام مصطفیٰؐ" اور" عقل تمام بولہب" ہے۔ آخر الذکر نظم میں اقبال نے رسالت مآب ﷺ کے حضور جو نذرانہ عقیدت پیش کیا ہے۔ اس کی مثال اردو شاعری میں نہیں ملتی۔ نظم کے ایک بند میں انھوں نے رسالت کے مقام و مرتبے کا تعین، شان اور حضور ﷺ سے اپنے عشق کا والہانہ پن دکھایا ہے۔ جس سے ان کے تصور رسالت کی بھی بخوبی وضاحت ہو جاتی ہے:

لوح بھی تُو، قلم بھی تُو، تیرا وجود الکتاب گنبدِ آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب!
عالم، آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ ذرہ ریگ کو دیا تُو نے طلوعِ آفتاب!
شوکتِ سنجر و سلیم، تیرے جلال کی نمود! فقرِ جنید و بایزیدؒ تیرا جمالِ بے نقاب!
شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام میرا قیام بھی حجاب! میرا سجود بھی حجاب!
تیری نگاہِ ناز سے دونوں مراد پا گئے عقل غیاب و جستجو! عشق حضور و اضطراب!
تیرہ و تار ہے جہاں گردشِ آفتاب سے طبع زمانہ تازہ کر جلوہ بے حجاب سے (1)

اس مجموعے کی ایک اور نظم "ساقی نامہ" میں اقبال نے اپنے بنیادی تصور خودی کی وضاحت کی ہے جو در حقیقت بقول فرمان فتح پوری: "اقبال کے فلسفہ خودی میں۔۔ توحید و رسالت کے عقیدے اور ملت اسلامیہ کو خاص طور پر اہمیت دی گئی ہے۔ (2)

اقبال کے الفاظ میں:

خودی کی جلوتوں میں مصطفائیؐ خودی کی خلوتوں میں کبریائی
زمین و آسمان و کرسی و عرش خودی کی رو میں ہے ساری خدائی (3)

---

1 اقبال، **بالِ جبریل**، ص116۔

2 فتح پوری، **اقبال سب کے لیے**، ص:۱۰۵۔

3 اقبال، **بالِ جبریل**، ص84۔

اقبال کے مجموعوں میں "ضرب کلیم" مختلف النوع موضوعات پر مشتمل نظموں کا مجموعہ ہے۔ ان نظموں کے موضوعات اور افکار اقبال کی فکری بصیرت کا پتہ دیتے ہیں۔ ان نظموں میں "اے روح محمدؐ" حضور ﷺ سے ایک طرح کی استدعا ہے اور شاعر اس کا جواب چاہتا ہے کہ اسے بتایا جائے کہ جب اس کی ملت کا شیرازہ بکھر گیا ہے۔ اس کا قافلہ منزل سے دور ہو گیا ہے مگر اس کے باوجود وہ مسلمان یعنی اقبال جو آیات الٰہی کا نگہبان ہے۔ اس کا من طوفان سے لبریز ہے، وہ مسلمانوں کی اس حالت زار پر نوحہ کناں ہے، اسے ان حالات میں کہاں جانا چاہیے:

شیرازہ ہوا ملت مرحوم کا ابتر!   اب تُو ہی بتا، تیرا مسلمان کدھر جائے!
وہ لذتِ آشوب نہیں بحرِ عرب میں   پوشیدہ جو ہے مجھ میں، وہ طوفان کدھر جائے!
ہر چند ہے بے قافلہ و راحلہ و زاد   اس کوہ و بیاباں سے حُدی خوان کدھر جائے!
اس راز کو اب فاش کر اے رُوحِ محمدؐ!   آیاتِ الٰہی کا نگہبان کدھر جائے![1]

اقبال کے مجموعے "ارمغانِ حجاز" میں شامل طویل نظم "ابلیس کی مجلس شوریٰ" کو اس حوالے سے اہمیت حاصل ہے کہ اس میں امت مسلمہ اور "آئین پیغمبرؐ" کو ابلیسی نظام کے لیے خطرہ قرار دیا گیا ہے کیوں کہ اسلام کی تعلیمات جو حضور ﷺ کی بدولت ہم تک پہنچی ہیں وہ خود میں ایک ایسا نظام رکھتی ہیں کہ ان کے سامنے تمام نظام ہیچ ہیں۔ بقول اقبال:

ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اس امت سے ہے   جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرارِ آرزو
جانتا ہے جس پہ روشن باطن ایام ہے   مزدکیت فتنہ فردا نہیں اسلام ہے
الحذر آئین پیغمبر سے سو بار الحذر   حافظ ناموس زن، مرد آزما مرد آفریں[2]

اس مختصر جائزے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اقبال کے ہاں رسالت کا تصور اور نعت کا بیان محض روایتاً نہیں آیا بلکہ ان کے فکر و عمل کو مہمیز دینے میں اس نے بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ اقبال کی امت کے لیے فکر جو قیام یورپ اور مابعد کے زمانے میں پروان چڑھی میں کتاب الٰہی اور اطاعت رسول دو بنیادی موضوع بن کر سامنے آئے۔ ان کے ہاں رسالت کا تصور ایک ہمہ گیر فکر ہے۔ اس میں نعت کی طرز پر مدح و توصیف بھی ہے اور اس کے پس پردہ معرفت و حقیقت کے اسرار کی عقدہ کشائی بھی ہے اور امت مسلمہ جو غافل ہو کر پیغام محمد ﷺ سے دور ہو چکی ہے کہ لیے ایک پیغام ہے کہ اگر تم تعلیمات محمدی پر عمل پیرا ہو جاؤ گے تو ایک بار پھر اپنے حقیقی نصب العین کو پہنچ جاؤ گے۔

اقبال نے مسلمانوں کی عظمت رفتہ کو اس تصور سے واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ اگر مسلمانوں نے دنیا میں کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں تو وہ تعلیمات اسلام اور رسالت کی پیروی کی

---

1 اقبال، **ضرب کلیم**، ص ۶۱۔

2 اقبال، **ارمغان حجاز**، ص 17، 18۔

بدولت ممکن ہوئے۔ اس لیے اب بھی ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلمان ایک بار پھر اس سبق کا اعادہ کر لیں تو اپنی کھوئی منزل کو پا سکتے ہیں اور اس زوال کے عہد سے نکلنے کا واحد راستہ بھی توحید و رسالت کے راستے پر چلنے میں ہے۔

اقبال کے تصور رسالت کا سب سے اہم پہلو حضور ﷺ کی ذات سے والہانہ عشق اور عاشقان رسول ﷺ کی مدح و توصیف ہے جو ان کے کلام میں جابجا نظر آتی ہے۔ ان کے ذکر سے بھی اقبال اس بات کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں کہ عشق نبی ﷺ ایک ایسا جذبہ ہے کہ جسے چھو لے اسے نہ صرف کندن کر دیتا ہے بلکہ دوامیت بخش دیتا ہے۔ اقبال کی شاعری میں "روح محمدؐ" اور "نور محمدیؐ" کا ذکر تواتر سے آیا ہے۔ اقبال اپنی ان نظموں میں حضور ﷺ کی ذات سے کبھی استغاثہ، کبھی شکوہ کرتے نظر آتے ہیں کہ اب امت مسلمہ کی نجات کیونکر ممکن ہو سکتی ہے۔ اپنے ایک خط بنام والد گرامی میں بھی انھوں نے اس کی وضاحت کی ہے:

> "موجودہ زمانہ روحانیت کے لحاظ سے بالکل تہی دست ہے۔ اسی واسطے اخلاص محبت و مروت و یکجہتی کا نام و نشان نہیں رہا۔۔۔ یہ زمانہ انتہائی تاریکی کا ہے۔ لیکن تاریکی کا انجام سفید ہے۔ کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ جلد اپنا فضل کرے اور بنی نوع انسان کو پھر ایک دفعہ نور محمدی ﷺ عطا کرے۔ بغیر کسی بڑی شخصیت کے اس دنیا کی نجات نظر نہیں آتی۔"(1)

بحیثیت مجموعی دیکھا جائے تو، توحید اور رسالت فکر اقبال کے دو بنیادی پہلو ہیں کہ جن کی بدولت وہ ملت اسلامیہ کا احیا چاہتے ہیں۔ توحید کے لیے رسالت اور رسالت کے لیے توحید لازم و ملزوم ہے۔

---

1 سید مظفر حسین برنی، مرتب کلیات مکاتب اقبال، دہلی اردو اکادمی، ۱۹۶۸ء، ص ۱۸۱۔